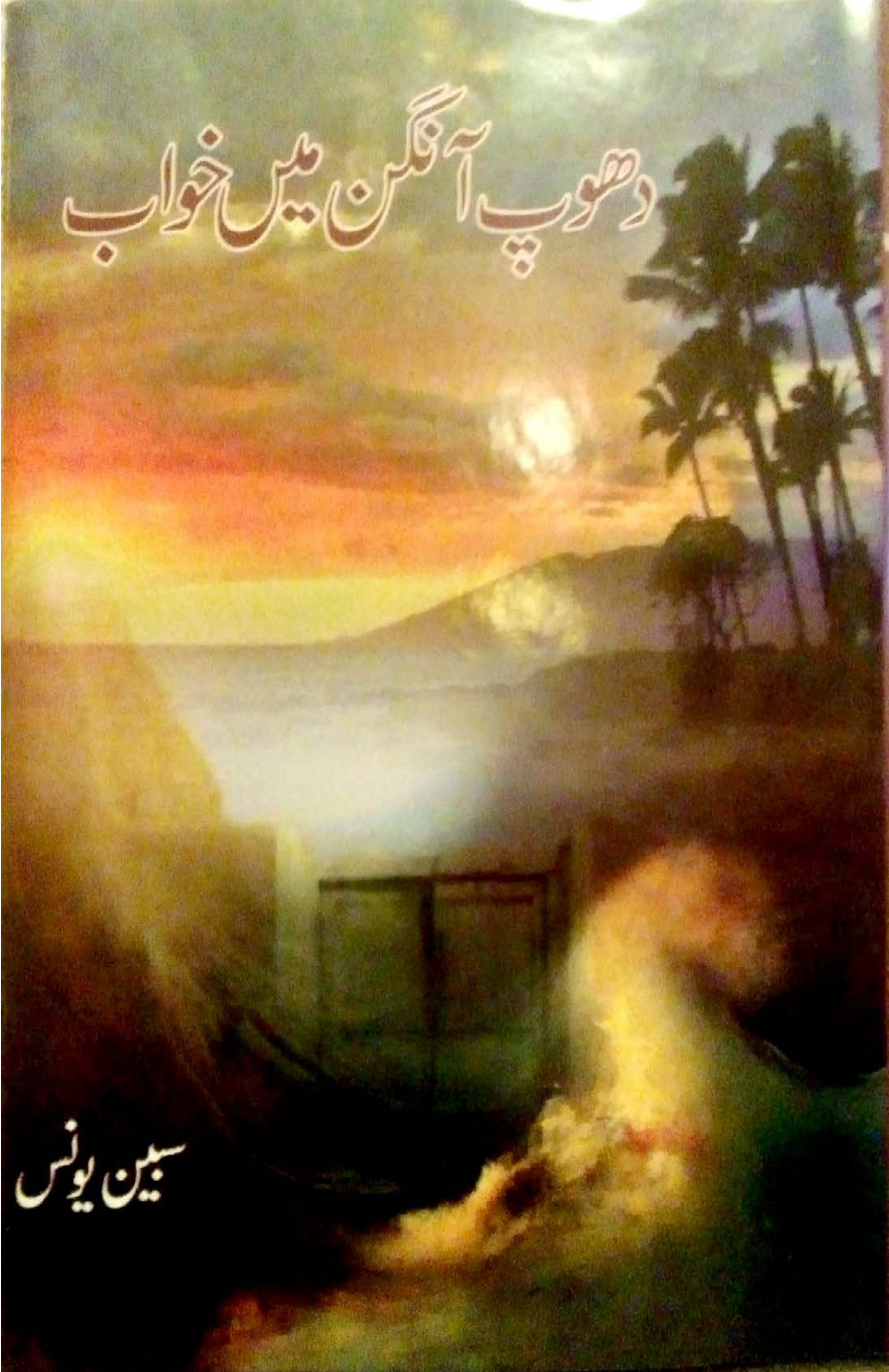


دھوپ آنگن میں خواب

سبین یونس



’’دھوپ آنگن میں خواب‘‘ ثمین یونس کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ پہلی کتاب ’’منزل سے ذرا دور‘‘ 2014ء میں شائع ہوئی تھی۔ ثمین ایک انتہائی شائستہ، مخلص اور ادب سے ٹوٹ کر محبت کرنے والی خاتون ہیں۔ اس تعلق، انہماک اور وابستگی نے انہیں شعر گوئی پر مائل کیا ہے۔ ادبی محفلوں میں ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ تصدیق ہوتی ہے کہ وہ شاعری کو حد درجہ عزیز رکھتی ہیں۔ ’’دھوپ آنگن میں خواب‘‘ میں ان کی غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ خالص جذبوں اور انسانی رشتوں پر کامل یقین سے ان کی شاعری کا خمیر اٹھا ہے۔ زبان و بیان اور فنی امور پر توجہ رہی تو ان شاء اللہ ان کا تخلیقی سفر اور بھی زیادہ بار آور ہو گا۔ ثمین کی اس دوسری تخلیق کی اشاعت پر میں انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ جہان ادب میں بھی اس کتاب کا استقبال کیا جائے گا۔

افتخار عارف

یوں ساتھ مرا چھوڑ کے مت جا غم ہستی
تنہائی میں تو وحشت دل اور بڑھے گی

عکاس

978-969-8267-54-4

دھوپ آنگن میں خواب

سبین یونس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : دھوپ آنگن میں خواب
شاعرہ : سبین یونس
پبلشر : عکاس پبلی کیشنز اسلام آباد
تعداد : پانچ سو
قیمت : -/400روپے
سن اشاعت: اکتوبر ۲۰۱۷
رابطہ : ۰۰۳۳۴۵۰۸۱۷۰۹

ناشر
طارق نعیم

انتساب

عزیز از جان اماں جی

اور

پیارے بیٹے جواد

کے نام

دھوپ آنگن میں خواب

سہل ممتنع غزل کی وہ باریکی ہے جس میں شاعر کو بڑی احتیاط سے لفظوں کو پرونا پڑتا ہے۔ اس احتیاط میں آپ کا مطالعہ، لفظوں کی زاویہ گیری اور ادائیگی کا حوصلہ لہجے کی پہچان بنتا ہے۔

ثمین نے دکھ کے ہر زاویے، تلخیوں اور کلفتوں کے ہر ذائقے کو چکھا ہے اور اپنے اندر جذب کیا ہے اور بڑی ہمت اور جرأت سے زندگی کی اذیتوں کو سہا ہے اور انہیں اپنی شاعری میں منعکس کیا۔

برسوں میں آنکھوں سے ٹپکے ہوئے موتی شعروں کے قالب میں ڈھلتے گئے ہیں سچی سیدھی سادی شاعری جو اَب ناپید ہے اس کا عکس لفظوں میں کھل کر دکھائی دیتا ہے، نظم کی پناہ گاہ میں اپنے احساسات وجذبات بیان کرنے کے لیے اسی لہجے کو اور جلا بخشو۔

کشور ناہید

شاعری ایک خداداد ملکہ ہے۔ اپنے محسوسات، تجربات اور مشاہدات کو موزوں اور موثر انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت شاعر فطرت سے لے کر آتا ہے اور یہی وہ قوت ہے جو اس کے دل کی بات کو رودادِ جہاں بنا دیتی ہے۔

''دھوپ آنگن میں خواب'' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعرہ کے زادِ سفر میں اللہ کی دی ہوئی تخلیقی صلاحیت بھی ہے۔ ریاضِ فن اور شعر پر توجہ کی لگن بھی ہے اور فنِ شعر وسخن کے اس میدانِ فطری کی آبیاری کے لیے قدرت نے ایک ایسا ماحول بھی اُن کے لیے مہیا کر دیا ہے کہ جہاں ان کی ادبی نشوونما کے تمام تر مواقع فراہم ہیں۔ میں محترمہ ثمین یونس صاحبہ کے لیے توفیقاتِ مزید کی دعا کرتے ہوئے پُر اُمید ہوں کہ ان کے شعر کی خوشبو وطنِ عزیز میں اردو سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے شعر کو اثر نفوذِ قبولیت کی نعمتوں سے سرفراز رکھے آمین۔

نثار ناسک

پیش لفظ

دھوپ آنگن میں خواب میرا دوسرا مجموعۂ کلام ہے۔ جس کو پہلے مجموعے ''منزل سے ذرا دور'' کی ارتقائی شکل کہا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور کی نو آموز شاعری اور تخیل کی پختگی کا سفر عمر کے مختلف ادوار کی طرح تجربات سے مزین ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کا انتساب میں نے اپنی والدہ اور اپنے بیٹے جواد الحسن کے نام کیا ہے۔ میرے خاندان کے وہ افراد جو ایک ساتھ ہی مجھے ایسی جگہ چھوڑ گئے جہاں میں یہ فیصلہ ہی نہیں کر پائی کہ میں پہلے کس کا غم مناؤں ماں کا شوہر کا یا بیٹے کا؟ دل کا کوئی کونا غم سے خالی نہ رہا۔ ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانے غم کی کڑی دھوپ میں جلنے لگے۔ یہاں میں نے اپنے غم کے ساتھ ساتھ اپنے اردگرد کے دکھ کو بھی محسوس کیا ہے۔ میری والدہ نے بھی بہت کم عمری سے میرے والد کی شہادت کے بعد دکھوں کی دھوپ کو اپنے اوپر سہہ کر ہم بچوں کی پرورش کی۔ میرے لئے میری ماں کی مثال آندھیوں میں جلتے دیے کی طرح ہے جس کی روشنی نے ہمیں منزل کا راستہ دکھایا اور میرا بیٹا جواد جس نے پہلی بار مجھے ممتا کے جذبے سے روشناس کرایا، جب چھ ماہ کا تھا تو سوتے ہوئے اس کے چہرے کی مسکان دیکھ کر میں نے یہ شعر لکھے۔

ترے چہرے کی متبسم لکیریں — تری ہستی کو کیفِ جاوداں دیں
جہاں کی وسعتیں سمٹیں نظر میں — تخیل کو ترے اک آسماں دیں
رواں ہو بے خطر تُو سوئے منزل — تجھے راہوں کے پتھر بھی نشاں دیں

اور پھر چودہ سال چار ماہ کی عمر میں مجھے اس کی قبر کے کتبے کے لئے یہ اشعار لکھنے پڑے۔

تجھے منزل کو پانے کی دعا دی — یہاں پہ آ کے تو نے پا لی منزل
ترا رتبہ بلند چاہا جہاں میں — ملی تجھ کو مگر یہ عالی منزل

اس مجموعے میں ذاتی نوعیت کے تجربات سے ہٹ کر اپنے اردگرد کے مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ میں شاید اس حد تک ان مسائل کا احاطہ نہیں کر پائی کہ شاعری میں بعض اوقات آپ سب کچھ نہیں کہہ پاتے جو کہنا چاہتے ہیں یا نثر میں کہہ سکتے ہیں۔ آج کے دور کے مسائل کا حل بھی امید اور یقین کے سہارے ممکن ہے۔ ذاتی غم اور دکھ بھی جلتی دھوپ کی طرح ہیں جن کے ساتھ زندگی کے معاملات کو چلانا بھی دھوپ آنگن میں خواب دیکھنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح اپنے اردگرد کے مسائل بھی ایسی کڑی دھوپ کی طرح ہیں جو آپ کے آنگن میں سایہ نہیں ہونے دیتی۔ ایسے حالات میں امن و سکون کی خواہش بھی ایک مثبت سوچ ہے۔

ثمین یونس

عقیدت

ہے تیری ذات سے امید بخششوں کی مجھے

حمد باری تعالیٰ

سراپا وحدتِ کامل ذرا توجہ ہو
اے رحم و مہر کے حامل ذرا توجہ ہو

اٹھی ہے تیری طرف جب اٹھی نظر اپنی
نہیں ہیں گو کسی قابل ذرا توجہ ہو

ہے تیری ذات سے امید بخششوں کی مجھے
نظر کرم کی ہو مائل ذرا توجہ ہو

قدم قدم پہ خطا بار عصیاں ہے سر پر
یوں تیرا بندہ ہے گھائل ذرا توجہ ہو

مری دعاؤں کے بدلے تری عطاؤں میں
مری خطائیں ہیں حائل ذرا توجہ ہو

گناہ گاری بھی اور میری شرمساری بھی
کسی طرح سے ہو زائل ذرا توجہ ہو

جو تیرے در سے اٹھیں بھی تو پھر کدھر جائیں
اسی ہی در کے ہیں سائل ذرا توجہ ہو

نعمتوں کو شمار کرتی ہوں
شکرِ پروردگار کرتی ہوں

تجھ سے کہنے کو دل کی سب باتیں
آج ہر حد کو پار کرتی ہوں

دل کی بے چینی دور کرنے کو
سجدے میں بار بار کرتی ہوں

بند آنکھیں لبوں پہ خاموشی
تجھ سے باتیں ہزار کرتی ہوں

جو کسی اور سے نہ کہہ پاؤں
تجھ پہ سب آشکار کرتی ہوں

تیری بخشش تیری عطا کے لیے
ہر گھڑی انتظار کرتی ہوں

نعت رسول مقبولؐ

اے حبیبِ خدا، احمدِ مجتبیٰ، تجھ سے روشن زمیں آسماں ہو گئے
اے رسولِ خدا، خاتم الانبیا، آراء تیرے لئے دوجہاں ہو گئے

اُٹھ گئی ہے قدم لینے تیرے زمیں، جھک گیا ہے فلک چومنے کو جبیں
ابرِ رحمت برسنے لگا چار سو، آج پیدا شفیع الزماں ہو گئے

تجھ کو آقائی کا شرف بخشا گیا اور سکھائے گئے حکمرانی کے ڈھب
جو کسی پر نہ اسرارِ ہستی کھلے، وہ ترے سامنے سب عیاں ہو گئے

ایسا اولی واعلی تیرا مرتبہ، جس کو اب تک نہ کوئی بشر پا سکا
پر ملائک کے جلنے لگیں جس جگہ، ان حدوں سے بھی آگے رواں ہو گئے

جب عرب کے مکیں پستیوں کے امیں، قعرِ ظلمت میں ڈوبے ہوئے سر بسر
تیرے اسوۂ حسنہ پہ جونہی چلے، خاکِ پا اُن کے کون ومکاں ہو گئے

زندگی جسم و جاں کی تری پیروی، روح و دل کا سکوں ہے ترا ذکر بھی
میں نے جیسے ہی نامِ محمدؐ لیا، پھول پتے مرے ہم زباں ہو گئے

دِل و نظر ترے آگے جھکا دیئے ہم نے
ہر ایک راز سے پردے اُٹھا دیئے ہم نے

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
سفر سفر میں ٹھکانے بنا دیئے ہم نے

الجھ گیا ہے شبِ تار سے نظر کا فسوں
کرن کرن وہ اُجالے گنوا دیئے ہم نے

وہ کل جو پیشِ نظر تھا وہ حاصلِ کل تھا
اُسی سے خوابِ تمنا سجا دیئے ہم نے

یہ شب طویل کبھی تو سحر بھی لائے گی
اب آزرو کے دیئے پھر جلا دیئے ہم نے

کوئی بھی یاس مرے دِل کے آس پاس نہ کر
اے نا امیدی کے بادل! مجھے اداس نہ کر

وہ لمحے جو کہ گزرتے ہیں صبر کرتے ہوئے
انہیں تڑپنا سکھا کر یوں نا سپاس نہ کر

ہے اختیار بھی اور فیصلہ بھی تیرے ہاتھ
صنم کدوں سے یقیں میرا روشناس نہ کر

ہے ظلم کو ہی بقا بے اثر ہے حرفِ دعا
تو اِس گماں کو تو ایمان کی اساس نہ کر

نفس پرستی سے دل ہو گئے ہیں آلودہ
گھلا کے زہر ہوا میں بھی بدحواس نہ کر

بے گانہ خود سے سارا زمانہ کئے ہوئے
اس تلخ زندگی کو فسانہ کئے ہوئے

صبر و رضا سے بڑھتے گئے حوصلے مگر
منزل بھی تھی عدو کو توانا کئے ہوئے

بے چارگی ہے، سلب ہوئیں ہمتیں تمام
بیٹھے ہیں راستے کو ٹھکانا کئے ہوئے

اب تک فضا سے شورِ فغاں کم نہیں ہوا
مدت ہوئی غموں کو روانہ کئے ہوئے

دِل کی بے چینی بہرحال گوارا کر لوں
اب تو سوچا ہے کہ میں تجھ سے کنارا کر لوں

اپنی ہستی کا تمسخر نہ اڑاتے دیکھوں
چھپ کے دنیا سے میں کچھ روز گذارا کر لوں

جانکنی میں ہی رہا ٹوٹ کے بکھرا جب بھی
کرچیاں دِل کی اکٹھی میں دوبارا کر لوں

زندگی کو تو محبت کا چلن راس نہیں
تلخ یادوں کو ہی جینے کا سہارا کر لوں

دو رُخی سے تو تری بے رُخی ہی بہتر ہے
کچھ نہ کچھ اپنے بچاؤ کا ہی چارا کر لوں

یہ تڑپ دِل کی بھلا چین کہاں پائے گی
نُور کی پہلی کرن وقت نیا لائے گی

خواب دیکھے ہوئے کچھ دن تو گذر جانے دو
خواب گر ٹوٹ گئے نیند نہیں آئے گی

حسرتِ وصل قیامت کا پتا دیتی ہے
اب قیامت کی گھڑی دل میں اتر جائے گی

چھوڑنا اب نہیں امید کا دامن دل سے
گو کہ مایوسی کی ہر سمت گھٹا چھائے گی

خامشی جبر کی ہے جس سے ہے خائف یہ حیات
پھر رہِ عشق پہ ہے زخم نیا کھائے گی

اُٹھے ہیں آنکھوں میں خواب لے کر
گئی رتوں کا حساب لے کر

تھے مطمئن تو یہ کون آیا
ہے آگہی کا عذاب لے کر

کچھ اپنا بھی احتساب کر لیں
یہ دِل ٹٹولیں جواب لے کر

چلے زمانے کے بن کے باغی
گئے وہ اُلٹا ثواب لے کر

نہ راز کوئی نہاں رہے گا
زمانہ آیا کتاب لے کر

بدل رہا ہے **نظام** سارا
نہ آ ؤ پچھلا **نصا**ب لے کر

تری وفا کا ہمیں اعتبار آ نہ سکا
یوں بے قراریٔ دل کو قرار آ نہ سکا

پسِ بہار خزاں کی بھی آمد آمد ہے
گلوں کو سوچ کے لطفِ بہار آ نہ سکا

لٹائی جان رہ عشق میں تھی لا حاصل
جنوں میں کوئی بھی پھر سوئے دار آ نہ سکا

قیامتیں سی بپا ہو گئی ہیں ہر جانب
خسارہ کوئی بہ حد و شمار آ نہ سکا

غرض ہی تو نہ سمجھ لے نیاز مندی کو
ترے حضور میں یوں بار بار آ نہ سکا

رہبری کی جو علامت ہیں، اگر ہوتے ہیں
جانے وہ لوگ زمانے میں کدھر ہوتے ہیں

پاؤں میں تاب ہے کیا؟ دور مسافت کتنی؟
یہ معمّے تو نگاہوں سے اُدھر ہوتے ہیں

اک مجاہد کی طرح سر پہ کفن باندھے ہوئے
جیتنے والے تو یوں رو بہ سفر ہوتے ہیں

کوئی مشکل کوئی دیوار نہ روکے رستہ
ایسی کچھ شان سے وہ سینہ سپر ہوتے ہیں

جتنے پل راہ میں گر تھک کہ ٹھہر جاتے ہیں
فکرِ منزل میں ہی وہ لمحے بسر ہوتے ہیں

وفا کے الجھے کٹھن راستوں پہ قائم ہوں
ستم مٹانے کی ان حسرتوں پہ قائم ہوں

دیئے ہیں عقل نے گو مشورے بچاؤ کے
میں اب بھی دل کے انہی فیصلوں پہ قائم ہوں

جو جسم و جاں کی ضرورت سے ماورا ٹھہریں
شعورِ ذات کی اُن منزلوں پہ قائم ہوں

زمانہ گو کہ بدلتا گیا ہزاروں رنگ
میں سازِ دِل سے نکلتی دھنوں پہ قائم ہوں

نکالنا نہیں مشکل اگرچہ اپنی غرض
میں بے خودی کی مگر عادتوں پہ قائم ہوں

گو نہیں طاقتِ بسیار یقیں رکھتے ہیں
اب مسیحائی کا بیمار یقیں رکھتے ہیں

جن کو مقصود رضا جوئی رہی قدرت کی
اُن کا کردار ہے گفتار یقیں رکھتے ہیں

سوچ کو جن کی نہ مہمیز ملی کاوش کی
ان کی ہر بات ہے بیکار یقیں رکھتے ہیں

سرِ بازار لئے آئے ہیں سودا دل کا
رحمتِ حق ہے خریدار یقیں رکھتے ہیں

چاہے دامن پہ مرے دنیا سیاہی مل دے
ابرِ رحمت ہے گہر بار یقیں رکھتے ہیں

مشکلیں زیست کی منزل کا پتا دیتی ہیں
جب بھی مشکل سے ہوں دو چار یقیں رکھتے ہیں

سنگ باری سے جنوں اپنا کبھی کم نہ ہوا
ہے سجا عشق کا دربار یقیں رکھتے ہیں

ہم جو گلشن میں قفس کا سا سماں پاتے ہیں
گیت آزادی کا حسرت سے سدا گاتے ہیں

جب رہِ عشق پہ پہنچیں گے تو تب دیکھیں گے
کون سے راستے منزل کی طرف جاتے ہیں

درد کے کتنے ٹھکانوں سے گذرنا ہوگا
رہنما کس کو یہاں اہلِ سفر پاتے ہیں

وہ بھی کیا خواب گنواتے ہیں کسی کی خاطر؟
اپنے سپنوں کی ہی تعبیر سدا لاتے ہیں

اب کہ ہم دشتِ جنوں میں نہ قدم رکھیں گے
خوف و وحشت سے اندھیروں کے یہاں ناتے ہیں

مہ و انجم پہ نظر تھی کبھی اے اہلِ جنوں
خواب اب حدِ نظر خاک ہوئے جاتے ہیں

سرِ تسلیم خم ہے اک بڑے اقرار کی خاطر
نظر میں روشنی ہے بس ترے دیدار کی خاطر

ہمیں دورِ غلامی کے وہی انداز ازبر ہیں
کہ اپنوں پر ستم ڈھاتے ہیں ہم اغیار کی خاطر
،

فنا کرتے ہیں اب قوموں کو مال و جاں بچانے کو
کبھی قومیں فنا ہو جاتی تھیں اقدار کی خاطر

ہمیں ہر حال میں اپنی روش کو اب بدلنا ہے
اٹھاتے ہیں مشقت بے وجہ بیگار کی خاطر

رہا بس اس قدر قصہ زمانے کو سنانے کا
متاعِ جان لٹے مت خواہش بیکار کی خاطر

بڑی رسوائی ہے اپنی بناِ سے کٹ کے رہ جانا
پرندوں نے بھی جاں دے دی گرے اشجار کی خاطر

جہاں خاموش رہ جانامنافع کی ضمانت ہے
خسارے کا کیا سودا وہاں اظہار کی خاطر

تجھ سے جو کچھ تھا ذرا سا واسطہ وہ بھی گیا
نام ہی کو جو تھا قائم رابطہ وہ بھی گیا

سمت گم تھی راستے کی، بے نشاں تھیں منزلیں
لمحہ لمحہ ساتھ تھا جو قافلہ وہ بھی گیا

آسماں کی وسعتوں میں دیپ تھے جلتے ہوئے
تھا تصوّر میں نیا اک راستہ وہ بھی گیا

دوستوں میں دشمنوں کو دیکھ کر حیراں ہوں میں
آگے بڑھ جانے کا تھا جو ولولہ وہ بھی گیا

وصل کا بھی راز رستوں کے کٹھن ہونے میں ہے
شاید اب دشوار تھا جو فاصلہ وہ بھی گیا

سوچ کی الجھن سلجھتی جا رہی ہے دم بدم
گم شدہ منزل کا تھا جو وسوسہ وہ بھی گیا

اِس قدر نزدیک پایا دِل نے جب اپنا حبیب
اب تلک قائم رہا جو حوصلہ وہ بھی گیا

خار دیکھے اِس قدر پھولوں کا دم گھٹنے لگا
گلستاں میں بوئے گل سے سانس کیوں رکنے لگا

شیشۂ دل تھا شکستہ، حوصلے ٹوٹے نہ تھے
اک ذرا سی آس پر خوشیوں کا در کھلنے لگا

ظلم کے سیلاب پر باندھے گئے ہمت کے بند
پیش کرنے کو ستائش آسماں جھکنے لگا

جب کبھی آواز آئی نعرۂ مستانہ کی
نُور آنکھوں کا بڑھا، کانوں میں رس گھلنے لگا

اِس قدر عادی اندھیروں سے نگاہیں ہو گئیں
رات اور دِن کا تصور ذہن سے مٹنے لگا

بے حسی احساس میں بدلی تو ایسا بھی ہوا
چوٹ پر اِک عضو کی سارا بدن دکھنے لگا

نہ ہو سکی یہ خبر دل کو آرزو کیا تھی
نہ تھی تلاش تری گر تو جستجو کیا تھی

تُجھے تو پھر مری دنیا میں لوٹنا ہی نہ تھا
وہ تیرے جیسی تھی اک شکل ہو بہو کیا تھی

وہ آرزو جو مری ہر طلب پہ حاوی تھی
کیا نظر میں تری جس نے سرخرو کیا تھی

اندھیرے رستوں پہ، مایوسیوں کے دامن میں
وہ روشنی سی جو پھیلی تھی چار سُو کیا تھی

وہ کیسے جانتے جو خود سے نہ نکل پائے
کہ بھوک ننگ کے ماروں کی آبرو کیا تھی

پیاس اپنا مقدر تھی یا تھا دستِ ستم
خزاں رسیدہ وہ کھیتی کنارِ جُو کیا تھی

جگر کا خوں نہ ملا، سینچنے کو دشتِ وفا
وہ اِک حسرتِ بے روح، بے وضو کیا تھی

خواب نگر میں آ کر دیکھو
پر اپنے پھیلا کر دیکھو

اڑتے اڑتے اوپر اوپر
دور آکاش پہ جا کر دیکھو

اُلٹے پاؤں لوٹ نہ آنا
دھیرے قدم جما کر دیکھو

یا بادل کے سنگ اُڑو تم
یا بدلی برسا کر دیکھو

قوسِ قزح کے رنگ کا زیور
سپنوں کو پہنا کر دیکھو

جبرو ستم کی اِس بستی سے
خود کو دور ہٹا کر دیکھو

جب زمیں آسماں کا ساتھ نہیں
تیرے میرے جہاں کا ساتھ نہیں

بات کرنے کو کر ہی دیتی ہوں
دل سے لیکن زباں کا ساتھ نہیں

یہ بھی جینے کا اِک طریقہ ہے
زندہ ہوں پر جہاں کا ساتھ نہیں

صبر نے روشنی حیات کو دی
آہ سے اَب فغاں کا ساتھ نہیں

اب ہے دامن سمیٹنا مشکل
کہ یقیں اور گماں کا ساتھ نہیں

سرفروشی میں راحتیں کیسی
دشت سے گلستاں کا ساتھ نہیں

ایک قیامت دل پر ڈھائے بیٹھے ہیں
خوف کی اِک دیوار بنائے بیٹھے ہیں

باہر جانا ٹھیک نہیں ہے رستوں میں
جان کے دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں

بے حس چہرے آنکھوں میں ویرانی سی
انساں ہیں یہ بات بھلائے بیٹھے ہیں

اپنی اپنی حرص کے آگے بے بس ہیں
دل کی ہر آواز دبائے بیٹھے ہیں

زندہ رہنے کی خواہش میں کیسے لوگ
قدم قدم پر موت بچھائے بیٹھے ہیں

درد اکیلی جان کا ہو تو کیا غم ہے
داؤ پر اک نسل لگائے بیٹھے ہیں

ہاتھ آگے کیا اور دستِ کرم تھام لیا
سر جھکا پائی تو پلکوں سے حرم تھام لیا

میں نے اس دنیا کے دستور سے باغی ہو کر
حق و انصاف و محبت کا علم تھام لیا

حق کو باطل سے ملاتے ہوئے دیکھا سب کو
کچھ نہ کچھ سچ کے بتانے کو قلم تھام لیا

ناتواں ظلم بڑھاتے ہیں یہ جانا جب سے
خود پہ اٹھتا ہوا ہر دستِ ستم تھام لیا

زندہ رہنے کی تمنا میں ہے جینا مشکل
جانبِ دار و رسن بڑھتا قدم تھام لیا

آج گلرنگ نظاروں کی ضرورت نہ رہی
دِل کو اب جھوٹے سہاروں کی ضرورت نہ رہی

ہر نیا زخم نیا پھول کھلا دیتا ہے
اب گلستاں میں بہاروں کی ضرورت نہ رہی

میری نظروں میں زمانہ ہی سمٹ آیا ہے
رہِ منزل پہ اشاروں کی ضرورت نہ رہی

دیپ جب دل کا جلا روشنی پھیلی ہر سو
پھر مجھے چاند ستاروں کی ضرورت نہ رہی

لے کے آیا سرِ مقتل مجھے اب جوشِ جنوں
پھوڑنے سر کو دواروں کی ضرورت نہ رہی

نہ ہی شبنم نہ ہی موسم کی ادا سے ہونگے
پھول روشن تیرے قدموں کی صدا سے ہونگے‘‘

نہ ہی تدبیر کے قائل ہیں نہ تقدیر کے ہم
پھر زیاں کاری کے کیا شکوے خدا سے ہونگے

بے خبر گذری سو گذری ہے مگر اب کیا ہو
رِستے ناسور عیاں بند قبا سے ہونگے

راہِ امید پہ ہیں یاس کے گھرے بادل
بارور کتنے گہر کالی گھٹا سے ہونگے

مسکراتے ہوئے دنیا کے ستم سہنا ہیں
حوصلے پست بہت غم کی فضا سے ہونگے

عشق کی کارگزاری کا تقاضا ہے خلوص
فاصلے طے ہی فقط صدق و صفا سے ہونگے

حق پرستی کا سبقِ تجھ کو اگر دعویٰ ہے
دور ہرگز نہ قدم راہِ وفا سے ہونگے

دھوپ آنگن میں جب یہ سارے خواب جلیں گے
بِن بادل برسات کے کیسے پھول کھلیں گے

غم قاتل ہے خوشیوں کے لاشے ہیں ڈھیروں
کس کس لاشے کو ہم کیسے دفن کریں گے

دِل روتا ہے دھیرے دھیرے خون کے آنسو
جگہ جگہ سے داغ لہو کے کیسے مٹیں گے

اُڑتے پنچھی چہکے تو ہم نے یہ سوچا
بن خوشیوں کے اِس دنیا میں کیسے رہیں گے

راہ کٹھن، دشوار سفر، منزل ہے گم
جیون کے اس رستے پر ہم کیسے چلیں گے

❁

وہ اپنے ہاتھوں میں بادہ و جام لے آئے
جھلک دکھا کے ہمیں سوئے دام لے آئے

خیال گذرے تمنا کے شہر سے لیکن
فقط سروں میں وہ سودائے خام لے آئے

جنہیں تھی حسرتِ دیوار و بام و دام وقفس
اترتی صبح میں غفلت کی شام لے آئے

وہ تمکنت جو رہِ زندگی کی لَو ٹھہری
اُسی کو برسرِ نیلامِ عام لے آئے

وہ آرزو جسے خدشہ تھا نارسائی کا
تڑپ کے ہم اُسے بالائے بام لے آئے

اب رات سے گریزاں ماہِ تمام بھی ہے
مایوس کیوں سحر سے ہستی کی شام بھی ہے

اس دورِ مادیت کے دستور ہیں نرالے
بے کار مشغلوں میں الفت کا نام بھی ہے

پر بھی شکستہ ہیں اب ہمت بھی ناتواں ہے
صیّاد بھی ہے چوکس، تیار دام بھی ہے

ہے یہ کم نوائی کیسی ، ہے یہ کیسی کم نصیبی
رہی پھر بھی تشنہ کامی، ہاتھوں میں جام بھی ہے

مرعوب اِس قدر ہیں دنیا کی طاقتوں سے
دِل میں اگر خدا ہے تو ہونٹوں پہ رام بھی ہے

میں سرِ دار مسکراتی رہی
زندگانی سزا بڑھاتی رہی

صبر کو میری بے حسی جانا
حوصلے اور آزماتی رہی

آبلہ پائی سے ہوا سیراب
پھول صحرا میں میں کھلاتی رہی

دِل کی تیرہ شبی مٹانے کو
زخم سینے کے میں جلاتی رہی

خود کا شاید کبھی گذر ہو یہاں
خار رستے سے میں ہٹاتی رہی

میں جو تنہائیوں سے ڈرتی تھی
اک بیاباں میں گھر بناتی رہی

اب جانے ہوا کیا ہے زمانے کی نظر کو
جس سمت سے ہو شور یہ اٹھتی ہے اُدھر کو

اُس وقت سے رستوں پہ ہے آسیب کا پہرہ
اِس دنیا کی رہ بھول گئی جب سے خضر کو

یوں قید ہیں آلات میں آواز کی لہریں
پہنچاتی فلک پر نہیں اب آہِ سحر کو

یا بحر نہ طوفاں سے ہوا ہوگا شناسا
یا ابر بنا پایا نہیں ہوگا گہر کو

ساحل پہ کھڑے ہو کے سبیںؔ ترکِ سفر کیوں
طاقت کا تو اندازہ ہو آج اپنی بھنور کو

داغِ فرقت ہم کو دینے میں نہ تھا تیرا قصور
خود سے تم جاتے تو ہم بھی تھامتے دامن ضرور

کیا تمہیں گل اور بلبل کی سناؤں داستاں
حسن نے خود کو بکھیرا کس طرح دل کے حضور

روح و جاں کے فلسفے پر ہم یقیں کیسے کریں
مادیت کا دور ہے اور چاہیے اِس میں ظہور

آ بھی جا تھم سی گئی ہے اِک جگہ پر زندگی
رات دِن تجھ بِن گذرنے کا نہیں رکھتے شعور

دور ہو کر کھویا ہوگا تم نے بھی اپنا قرار
ایک سے حالات پہ تھوڑا سا ہے دل کو سرور

میں نے جس بات کو خود سے بھی چھپا رکھا ہے
اُس کو دنیا نے ہر اِک سمت اڑا رکھا ہے

تُو مرے پاس جب آئے تو کوئی پاس نہ ہو
میں نے تنہائی کو عادت ہی بنا رکھا ہے

راستہ میرے مکاں کا ہے یہی ایک مگر
میں نے ہر راہ میں اِک دیپ جلا رکھا ہے

خود کلامی کو زمانہ مری عادت سمجھا
رابطہ تجھ سے خیالوں میں ملا رکھا ہے

رات ہوتے ہی ابھر آتے ہیں نقشے سارے
میں نے اِک دنیا کو خوابوں میں بسا رکھا ہے

۞

زندگی جیسی بھی آتی ہے نظر رہنے دو
ہو ہی جاتی ہے کبھی یوں بھی بسر رہنے دو

قابلِ رحم ہے یوں حالتِ صیّاد کہ اب
صید قدموں میں ہے بے کار، مگر رہنے دو

پسِ دیوار نوشتہ ہے نہ جانے کیا ہو
حسنِ ظن کا جو مقرر ہے ثمر رہنے دو

صبر گوہر ہے میرے کاسۂ دل میں ایسا
اب چھلکنے کو ہے بے تاب اگر رہنے دو

کہہ نہ پایا کوئی جذبوں کی کہانی مجھ سے
مدعا ہونٹوں پہ اب تابہ اثر رہنے دو

ہے زندگی کا ساتھ تمسخر لئے ہوئے
پھرتے ہیں بوجھ کتنے ہی دل پر لئے ہوئے

بیٹھے ہیں حسرتوں پہ بسیرا کئے ہوئے
آنکھوں میں سوچ دل میں تحیر لئے ہوئے

اجڑے دیار میں نہ کسی کا گذر ہوا
تنہا پڑے ہیں ہم دلِ مضطر لئے ہوئے

تنہائیاں جہاں کی عجب ہولناک ہیں
ساتھی ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

انساں کی چیرہ دستی سے اِس درجہ خوف ہے
اب گھومتے ہیں ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے

مرا تقدیر کے ان فیصلوں پہ کاربند رہنا
محبت کے تقاضوں پر دلوں کا ہر ستم سہنا

جنہوں نے خود کو چھوڑا ہے زمانے کے بہاؤ پر
ہے اُن کے واسطے اب وقت کی لہروں پہ ہی بہنا

جنہوں نے شانِ ملت کے بچانے کو بھنور جھیلے
ملا ہے اُن کو تکریم و وفا کا قیمتی گہنا

حجاب آ گیں تمنائیں ہیں شہرِ دل میں آویزاں
انہی کو سرخرو کرنے کو خلعتِ بریں پہنا

گئی چند لمحوں کی خیرہ کنی سے روشنی دل کی
ہے مشکل ہر چمکتی چیز کو سکہ کھرا کہنا

❁

کیوں دل کو مسلتی ہے تری یاد برابر
بے چین ہے کب سے دلِ برباد برابر

کچھ تیرے تصور سے ذرا ہٹ کے جو دیکھا
ملتے ہوئے ہونٹوں پہ تھی فریاد برابر

اٹھتا نہیں چولہوں سے دھواں، بھوک بھری ہے
تقریر کو غربت کی ملی داد برابر

تنظیمیں بہت بن گئیں اب داد گری کو
بڑھتے اُسی نسبت سے ہیں بے داد برابر

محرومی و بے چارگی چہروں پہ لکھی ہے
فنکاری سکھاتے رہے استاد برابر

چوکس رہو غافل نہ رہو دام سے ہرگز
ہیں تاک میں کب سے تری صیاد برابر

خزاں میں رسمِ بہار رکھنا عجیب سا ہے
گلوں کے دھوکے میں خار رکھنا عجیب سا ہے

میں کیسے بدلی ہوئی رتوں کا حساب دونگی
بُرے دنوں کا شمار رکھنا عجیب سا ہے

ہیں تلخ اتنی حقیقتیں اب کہ زندگی میں
سکوں کا دل میں خمار رکھنا عجیب سا ہے

اسیر تیرے دل و نظر کو کیا بتوں نے
قیامتوں کا ادھار رکھنا عجیب سا ہے

جہاں پہ ہر کوئی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے
غرض کی چادر اتار رکھنا عجیب سا ہے

عظیم چاہت کو ایک ادنٰی طلب کی خاطر
اذیتوں سے دوچار رکھنا عجیب سا ہے

چراغ دل کے جلاؤ تو کوئی بات بنے
اندھیرے آ کے مٹاؤ تو کوئی بات بنے

پلٹ کے دیکھو انہیں منتظر ہیں جو تیرے
نہ دل کی بات پہ جاؤ تو کوئی بات بنے

یہ روح و جاں پہ پڑا غم کا کیسا شب خوں ہے
مسیحا کوئی بلاؤ تو کوئی بات بنے

رہِ حیات سے بھٹکا تو کھو گیا ہے کہیں
بشر کو ڈھونڈ کے لاؤ تو کوئی بات بنے

ہر ایک پھول کا دامن ہے اشک بار اگر
نہ اِس سے زلف سجاؤ تو کوئی بات بنے

چلو کہ چلنے سے ہی منزلیں نشاں دیں گی
غبار رہ سے ہٹاؤ تو کوئی بات بنے

شکستہ سپنے جو دیکھے ہیں اتنی مدت سے
انہیں بھی شکل دلاؤ تو کوئی بات بنے

میں نے دیکھا غم کی اک پرچھائیں بھی اُن پر نہ تھی
مجھ کو سمجھانے لگے جو کیا ہے غم اور کیا خوشی

کس قدر احسان ہے اشکوں کا دل کے حال پر
درد بن کر بہہ گئی آنکھوں سے اُن کی بے رُخی

تلخ یادیں تھیں بہت بڑھنے نہ پائے سلسلے
پھر سے تجدید تعلق کا اگر سوچا کبھی

تجربہ کچھ کام نہ آیا بُرے حالات میں
ہر قدم پر دیکھنے کو اک نئی دنیا ملی

جس قدر تنہائی سے ڈرتی رہی میں عمر بھر
ساتھ دینے کو مرا اب وہ ہی تنہائی رہی

میری طرف رُخ تیز ہوا کا کیسے ہوا ہے
اِن رستوں سے کوئی شناسا کیسے ہوا ہے

بجھتا سورج اگتا اندھیرا چاروں جانب
جیون کا سنجوگ نیارا کیسے ہوا ہے

سات سمندر دھرتی پر پھیلے ہیں کب سے
من کا پیاسا تن کا پیاسا کیسے ہوا ہے

پیار محبت امن کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں
ظلم میں اک پیمان وفا کا کیسے ہوا ہے

نفرت کے اندھیاروں میں اِک پیار بھرا دل
جلتا رہ گیا دور دیا سا، کیسے ہوا ہے

کوئی راز دار ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
نہ یوں اضطراب میں یہ دل بے قرار ہوتا

ذرا پہلے کاش کھلتی مرے دل پہ یہ حقیقت
مرا غم تری خوشی کا آئینہ دار ہوتا

نہ گذرتے ابتلا سے تو نہ جانتے وفا کو
نہ ہی رُخ زمانے کا یہ کبھی آشکار ہوتا

کبھی ہم بھی لطف لیتے اِنہی بھیگے موسموں کا
اگر اپنے دل کا موسم ذرا سازگار ہوتا

دلِ زار کو نہیں ہے آہ و فغاں سے فرصت
کچھ تو مداوا غم کا، کوئی چارہ کار ہوتا

✿

ہر قدم غماز ہے اب جذبۂ تکمیل کا
اب عمل کے واسطے ہے مرحلہ ترتیل کا

ظلم کا چرچا اگر ہو تو یہ ظالم کے لئے
کھول دیتا ہے نیا در ظلم کی تعدیل کا

روشنی قلب و نظر کی چاہیے چاروں طرف
ہر اندھیرا منتظر ہے نُور کی قندیل کا

جذبۂ شوقِ تمنا کارگر تھا اس قدر
منزلوں کا راستہ شاکی رہا تعجیل کا

مقصدِ ہستی رہا پیشِ نظر جس کے لئے
کر لیا تھا خود کو خُوگر حکم کی تعمیل کا

حق کی ندا تھی ایسی کہ پہنچی ہے کو بہ کو
لبیک کی صدائیں بھی پھیلی ہیں چار سو

وہ انتہا خیال کی وہ رازِ کن فکاں
تطہیرِ قلب ہو گی تو ہو گی وہ سرخرو

جکڑے ہیں زندگی کی طنابوں میں اِس طرح
کہنے کو بات ہے نہ کوئی دل کو آرزو

ہر گام پر خیالِ دلِ مضطرب رہا
پیشِ نظر ہمیشہ رہی اپنی جستجو

تجھ سے غرض نہیں تو تری بے بسی سے کیا
کس طرح دل کو تار کیا آ کے رُو برُو

جدائی کی اندھیری ساعتیں تحریر کرنا
ہے اب یہ مشغلہ اک خواب گھر تعمیر کرنا

تمنا دے رہی ہے دل کے دروازے پہ دستک
نہ اس کو آرزو بر آنے سے تعبیر کرنا

فقط غم بانٹنے کو تجھ سے حالِ دل کہا ہے
نہیں مقصود اپنی ذات کی تشہیر کرنا

محافظ تیری خاطر بام و در پر تو کھڑے ہیں
تو خود سے بچ نکلنے کی کوئی تدبیر کرنا

ہوائیں پیشِ خیمہ آندھیوں کا بھی اگر ہوں
انھیں محمول پھر بھی خیر کی تقدیر کرنا

حقیقت یہ ہے یا وہ تھی اسی اک کشمکش میں
ہوا مشکل تصور کو ترے تصویر کرنا

❁

بے حسی اوڑھنے میں زمانے لگے
رنگ سارے خوشی کے، فسانے لگے

غم کا احوال جن سے بھی میں نے کہا
مجھ سے اپنی خوشی وہ چھپانے لگے

دِل دھڑکتا نہیں اب کسی بات پر
زخم سارے ہمیں اب پرانے لگے

راستے میں ملے ٹھوکروں کے نشاں
حوصلوں کو مرے آزمانے لگے

دِل کی دیوار پر ایک چہرہ رہا
اور چہرے نظر کو ستانے لگے

روپ تھے ایک ہی ذات کے رو برو
دوسرا ہر نظارہ ہٹانے لگے

دل کے زخموں کی لو جب بھی مدھم ہوئی
پنکھ غم کی ہوا کے جلانے لگے

چاروں طرف یادوں کے جنگل
دور تلک ہے راہ نہ منزل

اس سے بے حس بیگانہ دل
سہل سفر ہے یا ہے مشکل

پل میں کٹی صدیوں کی مسافت
گذرے کتنے آج ہیں اور کل

ایسی کٹھن جیون کی راہیں
پاؤں شل ہیں سانسیں بوجھل

دور اندھیرے میں اک جگنو
چھٹنے لگے ہیں یاس کے بادل

اُڑتے لمحوں کی دستک پر
تھام لیا امید کا آنچل

آس اور یاس کے اس جل تھل میں
کیسے بیتے جیون کے پل

اک اور نیا نام یہ دنیا اسے دے گی
جو روپ جنوں خیزی تری اور بھرے گی

بے کار ہے امید دلِ خستہ کسی سے
اب کوئی دوا گھاؤ ترے بھر نہ سکے گی

اب دل پہ برستی نہیں حالات کی بارش
زرخیز اسے کوئی نمی اب نہ کرے گی

یوں ساتھ میرا چھوڑ کے مت جا غمِ ہستی
تنہائی میں تو وحشتِ دل اور بڑھے گی

سو جاؤں مکمل ہوں مرے خواب ادھورے
تنہا یہ شبِ ہجر مگر کیسے رہے گی

اب تجھ کو ضرورت ہے سبیںؔ دنیا نئی کی
چلنے لگے تو گر تو ترے ساتھ چلے گی

دھوپ سے غم کی جو الجھوں گی سنور جاؤں گی
میں جو طوفان سے گذروں گی نکھر جاؤں گی

دولتِ درد سدا زادِ رہِ عشق رہی
سوئے منزل لئے بے خوف و خطر جاؤں گی

الجھنیں زیست کی دامن کو پکڑ لیتی ہیں
میں رہِ شوق بہ اندازِ دگر جاؤں گی

اڑتے پھرتے ہیں تخیل میں چمکتے جگنو
روشنی بن کے زمانے میں بکھر جاؤں گی

میری بکھری ہوئی ہستی کو سمیٹا جس نے
ایسے محور سے الگ ہو کے کدھر جاؤں گی

قلم کی حرمتیں دیکھی گئی ہیں
خلوص اور چاہتیں دیکھی گئی ہیں

نیا دن ہے نئے دن کے تقاضے
پرانی صورتیں دیکھی گئی ہیں

نہ طے پایا کوئی سودا زیاں کا
دِلوں کی نیتیں دیکھی گئی ہیں

یہ ہے حسنِ تخیل کا کرشمہ
نظر کی وسعتیں دیکھی گئی ہیں

نہ کام آیا ہنر نطق و بیاں کا
عمل کی طاقتیں دیکھی گئی ہیں

جواد کے لئے

تجھے منزل کو پانے کی دعا دی
یہاں پر آ کے تو نے پا لی منزل
ترا رتبہ بلند چاہا جہاں میں
ملی تجھ کو مگر یہ عالی منزل

دُنیا کی دھوپ میں نہ ملا سائباں تلک
صد شکر کوئی شکوہ نہ آیا زباں تلک

تیرے لئے تو سہل تھا میرے لئے کٹھن
یہ اِس جہاں کا فاصلہ تھا اُس جہاں تلک

لمحے میں تُو اِدھر تھا تو لمحے میں تُو اُدھر
دیوار میرے آگے ہے اِک آسماں تلک

تیرے لئے یہ فاصلہ لمحے کی بات تھی
مشکل مرے لئے ہے یہاں سے وہاں تلک

دُنیا کے ریگزار میں مَیں ہوں برہنہ پا
جانا پڑے گا ایسے نہ جانے کہاں تلک

یہ رشتے ہیں بہت گہرے جو صدیوں تک نبھانے ہیں
جہاں میں ساتھ دینے کو بھی یادوں کے خزانے ہیں

ہمیں پھر سے کسی پھولوں کی وادی میں اترنا ہے
وہاں پھر یاد میں تیری ہمیں آنسو بہانے ہیں

تمھارے ساتھ گذرا مختصر سا وقت کافی ہے
قدم رکھے تھے جن رستوں پہ تاروں سے سجانے ہیں

کھنک تیری ہنسی میں اور شرارت سے بھری آنکھیں
فقط اک یاد ہے اور یاد کے قصے پرانے ہیں

ڈرا کرتی تھی تیرے ایک پل خود سے بچھڑنے پر
ہمارے درمیاں اب جانے کتنے ہی زمانے ہیں

یہ درد ہجر سہنا حشر سے تو کم نہیں ہوتا
دکھوں کے بار جانے کب تلک ہم نے اٹھانے ہیں

ترے چہرے کی متبسّم لکیریں
تری ہستی کو کیفِ جاوداں دیں
جہاں کی وسعتیں سمٹیں نظر میں
تخیل کو ترے اک آسماں دیں
رواں ہو بے خطر تُو سوئے منزل
تجھے راہوں کے پتھر بھی نشاں دیں

کرنے کو باتیں بہت ہیں سننے کو قصے بہت
زندگی لیکن نہیں ایسے گذرنے کے لئے
بےخودی میں چل پڑے تو آ گئے منزل سے دور
زندگی میں عشق کو بھی عقل رہبر چاہیے

دل و نظر کو ہر اک حد سے ماورا کر دو
ہیں تیرے ذہن میں کتنی ہی وسعتیں پنہاں
کہ تیرے جیسے ہی ہر آسماں کو چھوتے ہیں
فرازِ دار کی لذت اگر ہو تجھ پہ عیاں

رہیں ماتم کناں ناکامیاں تو مسکرائے جا
غبارِ پا کو تیرے زندگی کی رہگزر ترسے
عطا ہو وہ مقامِ بندگی و برتری مجھ کو
کہ اس منزل کے پانے کو جہاں کا ہر بشر ترسے

ہمارے درد کی باتیں سنیں ہواؤں نے
سسک سسک کے گھٹاؤں کا روپ دھار لیا
ہر ایک لمحہ تری یاد کے حصار میں تھا
نظر کے رستے تجھے دل میں یوں اتار لیا

ہو ایک سمت تو میں تجھ کو ڈھونڈنے نکلوں
چہار سمت سے آیا مری صدا کا جواب
زمانہ کتنی ہی باتیں بنا گیا اب تک
کہ اپنی سانسوں کے ہونے لگے ازل کسے حساب

دِل کی تسکین عبارت ہے یقیں محکم سے
روشنی آنکھ کی ہے وصل کی اُمید لئے
جس سے اِک پل بھی گوارا نہ ہوا فرقت کا
اُس سے ملنے کی خبر آتی ہے اب عید لئے

میں نے تو اُس دِن سے اپنی آنکھ ہی کھولی نہیں
جب سے یہ جانا کہ جو دیکھا بیاں کرنا نہیں
اب مقدر پر قناعت کا تو یہ مطلب ہوا
ظلم سہنا ہے مگر آہ و فغاں کرنا نہیں

نظمیں

کچھ اور چاہیے وسعت

والدہ محترمہ کے نام

تمام عمر تری چاہتوں کی حسرت میں
لہو لہو کیا دل کو تری محبت میں

تجھے جو بھولوں تو اپنا پتا نہ مل پائے
جو یاد رکھوں تو دل آنسوؤں میں بہہ جائے

نہ جان پائی ترے درد کی اتھاہ کو کبھی
گزر کے درد کے طوفاں سے راز پایا ابھی

ہوئی نہ جرأتِ اظہار دل کے جذبو ں کی
کہ غیریت کی سی دیوار میرے آگے رہی

نہ چھو سکی تیرے قدموں میں بستی جنت کو
نہ جان پائی تری مامتا کی حدت کو

وہ لمحے کاش مری زندگی میں آ جائیں
کہ جن کو کھو کے ہیں ویران عمر کی راہیں

ملا نہ موقع معافی کا اور نہ خدمت کا
نہ تھا یقیں ابھی دنیا سے تیری رحلت کا

وہ جذبے دل میں جو میں نے چھپا کے رکھے تھے
جو لفظ کہنے کو لب پر سجا کے رکھے تھے

یہ سوچا بارہا میں نے کہ سب عیاں کر دوں
ذرا میں کھل کے کبھی حالِ دل بیاں کر دوں

میں تیری عظمت و ہمت پہ کچھ کلام کروں
تری محبت و ایثار کو سلام کروں

بلند نگہہ تری ذہن وقلب کی وسعت
وہ اک جہان تخیل وہ سوچ کی ندرت

وہ تیرے چہرے پہ ہر لمحہ کھیلتی مسکاں
کڑے حالات میں دکھلاتی منزلوں کے نشاں

وہ جذبہ جس نے مری ذات کو نکھارا ہے
ترے یقین کی طاقت نے ہی سنوارا ہے

میں کاش کہتی کہ میں تجھ سے پیار کرتی ہوں
تری وفا پہ دل و جاں نثار کرتی ہوں

میں سوچتی ہی رہی اور وقت بیت گیا
اخیر غفلت و حسرت کا لمحہ جیت گیا

یہ آگہی مجھے بخشی ہے تیری فرقت نے
ندامتوں میں دھکیلا نہیں ہے قسمت نے

کہ سوچنا ہو جہاں پل میں کر گذرتے ہیں
جو جلد کرنا ہو ہم اس میں دیر کرتے ہیں

تیرگی بڑھ گئی زمانے میں
ہر سحر غم کی رات لگتی ہے

مدتوں پہلے تجھ کو کھویا تھا
جانے کیوں کل کی بات لگتی ہے

میں کیا ہوں؟ یہ مجھے گر آگہی ہو
مری ہستی سراپا روشنی ہو

جگر کے خوں سے سینچوں یہ گلستاں
خزاں میری بہارِ زندگی ہو

چلوں تو ساتھ لے لوں اِک زمانہ
مرے ہر گام پہ منزل نئی ہو

ورا ہو جو زماں سے اور مکاں سے
نظر میں وہ مقامِ بندگی ہو

مِرے قدموں میں جنت ہے سنا ہے
دعا یہ ہے مکیں اُس کا کوئی ہو

ماں کا دن(Mother's Day)

ہم کسی بھی خوشی کے
موقع پر
یا غم کے اداس لمحوں میں
اپنے پیاروں کو یاد کرتے ہیں
جب بھی موسم حسین ہوتا ہے
جب بھی کالی گھٹا اُمڈتی ہے
تو یہ دل بھی اداس ہوتا ہے
اپنی کوئی عزیز سی ہستی
بہت شدت سے یاد آتی ہے
اب جو ہم ماں کا دن مناتے ہیں
گذرے لمحے بہت ستاتے ہیں
اس کی بخشش کی مانگتے ہیں دعا
غفلتوں کی یہ کیا تلافی ہے؟

ان ندامت کے بہتے اشکوں میں
اپنے جرموں کی کچھ معافی ہے؟
اُس کا ہر لمحے دل دکھا دینا
بے وجہ بات کو بڑھا دینا
اُس کے چہرے کے کئی بدلتے رنگ
جن سے نظروں کو تھا چرا لینا
اپنی جھوٹی اناؤں کی خاطر
اس کے فخر وغرور کو توڑا
اور پھر زعم میں جوانی کے
اس بڑھاپے کو ناتواں جانا
تجربہ اس کا، دانشیں اس کی
اپنی باتوں سے رد کئے جاتے
جس کی محنت سے منزلیں پائیں
اس کے رستوں کو کاٹتے رہتے
اور پھر زندگی کے اُس لمحے
ہم جو خود اُس جگہ
پہنچتے ہیں

وقت کچھ ایسے لوٹ آتا ہے
جب بڑھاپا صدا لگاتا ہے
جب جوانی جواب دیتی ہے
پچھلے قصے تمام ہوتے ہیں
اپنے بچے اُسی طرح ہم سے
جب کبھی ہم کلام ہوتے ہیں
اور اپنی ضرورتوں کے لئے
وہ بھی جب راستے بدلتے ہیں
آنکھ تب آگہی کی کھلتی ہے
اک ندامت سی گھیر لیتی ہے
دِل سے پھر یہ دعا نکلتی ہے
جس پشیمانی سے دوچار ہیں ہم
اے خدا! تو ہمارے بچوں کو
اِس پشیمانی سے بچا لینا

درس گاہ

میں ایک بچہ ہوں
عمر کی ابتدا میں ہوں
تو میں چاہتا ہوں
کہ اپنے گھر کے صحن میں کھیلوں
نہ ایک لمحے کو ماں کی ممتا سے
دور جاؤں
میں زندگانی کا درسِ اول بھی
ماں سے لے لوں

مگر میں ک اِک اجنبی جگہ پر
جب آ گیا تو حیران تھا کہ
اسے تحفظ، اسے سکوں میں
تو اپنے گھر سے بھی بڑھ کے دیکھا

اسے محبت میں، اور شفقت میں
ماں کی ممتا سے بڑھ کے پایا
میں بولتا تھا
نہ جانتا تھا کہ
کیسے لفظوں کو جوڑنے سے
دلوں میں ان کو اتارنے سے
علم وفن کے وسیع سمندر
ذہن ودل کے اسیر ہو نگے

میں کھیلتا تھا
مگر یہاں کھیل کھیل میں یہ
شعور پایا کہ
کھیل بس دل لگی نہیں ہیں
یہ کھیل ذہنوں کے کھولتے ہیں
کئی دریچے
یہ کھیل ہی جیتنا سکھاتے ہیں
آگے میدانِ زندگی کو

میں اس جگہ پر
کبھی مچل کے کبھی بہل کے
آ گہی کے حسین در میں
قدم میں پہلا بڑھا چکا ہوں
نہیں یہ ممکن کہ زندگی کے
کسی بھی لمحے
اسے بھلا دوں
جہاں سے تکمیلِ آدمیت کی
ابتدا کر کے میں چلا ہوں

ایک الوداعی نظم

یہ وقت اور یہ محفل یہ رنگ کیا ہو گا
کبھی ملیں گے تو کتنا بدل چکا ہو گا

بیاں نہ ہوگی زباں سے جدائی کی حالت
دلوں میں شورِ قیامت سا اِک بپا ہو گا

فضا ہوا یہ چمن سب اداس لگتے ہیں
یہ وقت بھی تو پریشاں گذر رہا ہو گا

در و دیوار کے چہرے ہیں اترے اترے سے
ہر اک جدائی کا منظر یہاں بسا ہو گا

یہاں پہ آتے ہوئے اک خوشی کا عالم تھا
یہاں سے جاتے ہوئے دل بجھا بجھا ہو گا

جو وقت گذرا یہاں گو کہ مختصر سا تھا
تمام عمر پہ بھاری یہ فاصلہ ہو گا

اداس ہو گا چمن کچھ ہمارے جانے سے
پھر اور پھولوں سے گلرنگ ہو رہا ہو گا

مگر کبھی بھی جو گذریں گے ہم اِدھر سے تو
ہجوم یادوں کا ہر راہ پر کھڑا ہوگا

پیام اقبالؒ

بھولتا جاتا ہے کیوں مطلب تجھے تکبیر کا
تو نہیں محرم رہا قرآن کی تفسیر کا

کر دیا بیگانہ عیش و لطف نے خود سے تجھے
تجھ سے تو لینا تھا کام اللہ نے شمشیر کا

مال و دولت کو جہاں کی گو کہ اپنا کر لیا
ہے کبھی سوچا نفس اپنے کی بھی تسخیر کا

اپنے گھر کو ہی جلا ڈالا کسی کا جان کر
ہے یہ اپنی ہی خطا یا ظلم ہے تقدیر کا

کاش اب آنکھیں کھلیں اور دل بھی ہو زندہ ترا
اِس خاکستر سے خیال آئے تجھے تعمیر کا

پھر ترا ایسا جہاں ہو جس میں ہو تیرا مقام
پھونک دے تُو اِس میں شعلہ عشق کی تنویر کا

رہنمائی جس کی سکھلائے تُجھے تسخیر ذات
لطف پھر سے سیکھ اُس اسلام کی زنجیر کا

ہو وہی روشن سحر پھر ، ہو اُجالے کا ظہور
خواب پھر اقبالؒ کا شرمندہ ہو تعبیر کا

مٹ گئے احساس کس کے سحر کا یہ اثر
غفلت و پستی میں ڈوبا ہے یہ پیکر سر بسر

جس کے تھے قدموں تلے تاراج یہ کون و مکاں
اپنی منزل سے بھٹک کر پھر رہا ہے در بدر

دشمنانِ دیں کے اب تو حوصلے بڑھنے لگے
دیکھ کر اسلام کا شیرازہ اتنا منتشر

ہے یقیں زندہ ہیں کچھ اہلِ نظر اِس دہر میں
اس لئے تو یہ جہاں قائم ہے آب و خاک پر

ہو جہاں زیرِ نگیں اسلام کی شمشیر کا
پھر خدا پیدا کرے اسلاف کا قلب و جگر

ہے سبیںؔ کی آرزو گردش کے لمحے ختم ہوں
خاکِ ہستی سے کرے پیدا فلک لعل و گہر

سانحہء پشاور

اک حشر کی اس شہر کے لوگوں پہ گھڑی ہے
سائے میں شجر کے بھی جہاں دھوپ کڑی ہے

وہ آنکھ جو دہلیز پہ تھی وا دم رخصت
تکتے ہوئے رستہ ترا چوکھٹ پہ کھڑی ہے

جاتے ہوئے امید سے روشن تھی نگاہیں
آتے ہوئے آنکھوں کی چمک ماند پڑی ہے

جو خواب ترے کل کے، نگاہوں میں بسے تھے
آنکھوں میں اب انکی جگہ اشکوں کی لڑی ہے

اب کیوں نہ کمر جھکنے لگے وقت سے پہلے
جب چھوٹ گئی ہاتھ سے کل کی جو چھڑی ہے

اک مرثیہ لکھ دینے سے کیا ہوگا مداوا
اک نوک سی نیزے کی جو سینے میں گڑی ہے

تھا روپ میں انسان کے شیطان فروکش
اب جبر پہ ہے صبر قیامت کی گھڑی ہے

کس نے تجھے قربان کیا اپنے جنوں میں
کتنی تھی وہ قیمت جو تری جاں سے بڑی ہے

مختل کئے احساس ہوس جاہ و حشم نے
خودغرضی و لالچ ہے کہ نس نس میں جڑی ہے

امتحان

غموں کو سہنا بہت ہے مشکل
مگر کبھی ہم نہ جانے کیسے
گذر ہی جاتے ہیں مشکلوں سے
انہی غموں سے کھُلیں بہت سی
حقیقتیں ہم پہ زندگی کی
انہی کے باعث یہ ہم نے جانا
سکون صبر ورضا میں کیا ہے
یہی محبت کا ہے تقاضا
کہ اُس نے جو فیصلہ کیا ہے
خوشی سے
اُس کو قبول کر لیں
کہ شاید اس امتحاں کے بدلے
وہ سرخروئی نصیب میں ہو
ہمیں جو محبوب کر دے اُس کا

کہ جس کی الفت کی
اک نظر کو
تمام عالم ترس رہا ہے
یہی تسلی ہے زندگی کو
کہ درد ہی تو فروغ دیتا ہے
بندگی کو
ہے بندگی
زندگی کا حاصل
اسی کے دم سے ہے
ساری ہلچل
مگر کبھی اک فریب دیتا ہے
یہ زمانہ
خوشی کی اک عارضی جھلک سے
وہ توڑتا ہے
حصارِ غم کا
جنوں میں شِدّت
نہ غم میں لذّت

نہ اب خوشی ہے
نہ غم ہے کوئی
ہے کشمکش میں
یہ زندگی اب
ہماری حالت یہ ہوگئی ہے
کہ روشنی پر لپک رہے ہیں
ہوا اندھیرا تو تھم گئے ہیں
خدایا تو ہم پہ
رحم کردے
ہمیں عطا کر وہ روشنی جو
تمام رستوں کو جگمگا دے
کہیں پہ ایسا اندھیرا نہ ہو
جو راہ روکے
یہ زخم دل کے چراغ کردے
چراغ ان سارے راستوں کے
جو تیری جانب ہی
جا کے نکلیں

احساس

زماں مکاں کی یہ وسعتیں
جو مری نظر میں سما گئی ہیں
جو میرے دل کو ٹٹولتی ہیں
جو میری آنکھوں کو کھولتی ہیں
کوئی ہو صورت
جو میری آنکھوں کی
حسرتوں کو اُمید دے دے
جو میرے خوابوں میں
رنگ بھر دے
میں اپنی آنکھوں کی حسرتوں کے
جواب دے دوں
میں ٹوٹے خوابوں کی
ہر گھڑی کا حساب دے دوں
خلا ہے لیکن

نگاہ کی دسترس تلک اک
نوید کوئی
نہ رنگ کوئی
نہ آس کوئی
اُٹھے رہے میرے ہاتھ یونہی
فلک کی جانب نگاہ میری
تھمی رہی تھی
کہ میں نے دیکھا
وہ ایک ہالہ سا روشنی کا
وہ ایک احساس سرخوشی کا
کرم کی شاید وہ اک نظر تھی
جو درد میرے سمیٹنے کو
دل ونظر میں اتر رہی تھی

روشنی کے دروازے

روشنی کے دروازے
دور ہیں کہیں کھُلتے
آ گہی کے آوازے
سننے کونہیں ملتے
اب قدم بڑھاؤ تو
ہمت آ زماؤ تو
دور بادلوں کے سنگ
کیسے اُودے اُودے رنگ
جب گھٹا برستی ہے
دھرتی ساری دُھلتی ہے
ایسے ہی ترے من میں
یاس کے چھپے بادل
جب بھی کھُل کے برسیں گے

آس رنگ بکھریں گے
روشنی کے دروازے
آگہی کے آوازے
خود تمہیں پکاریں گے
زندگی سنواریں گے

ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

من کو جلا کر اگن جلائی
تن کو جلا کر لو بھڑ کائی
کیسے کہہ دوں یاد نہیں ہو
کیسے کہہ دوں پاس نہیں ہو
یاد کی وادی تو
پھولوں سے بھری پڑی ہے
قوسِ قزح کے سب
رنگوں سے سجی ہوئی ہے
گذرے لمحوں کا ہر منظر
آنکھوں میں ہی بسا ہوا ہے
جب آنکھوں کی چمک بڑھے تو
ہونٹوں پر مسکان سجے تو
سمجھو میں اُس وادی میں ہوں
سوچ نگر میں کھلنے والی
کھڑکی میں ہوں

سوچ، حقیقت میں
اک لمحے کا وقفہ ہے
جتنا کھلتی اور بند آنکھوں میں
پردہ ہے
یاد نہ ہو تو
پاس نہ ہو تو
زندہ رہوں میں
ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟

تعلق

محبت، چاہتیں، عزت، رفاقت
نام خوشیوں کے
خوشی اک زندگی کی
لہر دوڑاتی ہے
تن من میں
سکون و عافیت کے لمحے
جسم و جاں کی طاقت ہیں
تعلق ' جوڑ کر رکھنے سے
دِل مضبوط ہوتے ہیں
یہ رشتے
زندگی کے واسطے
اکسیر ہوتے ہیں
جُڑے ہیں دِل کے تاروں سے
تعلق کے سبھی دھاگے

تعلق ٹوٹنے پر آئے تو
کچھ یوں الجھتے ہیں
رگوں سے خون رستا ہے
بدن سے روح کھنچتی ہے
ستم اور ظلم کے ہر روپ سے
بڑھ کر اذیت ہے
تعلق ٹوٹنے سے
زندگی بھی روٹھ جاتی ہے

پہرے

ہو گر بس میں تمہارے
بٹھا دو تم مری سوچوں پہ پہرے
خیالوں کو بھی میرے
روک لو تم
مرے خوابوں کی دنیا کو جلا دو
مرے قدموں کو روکو
نہیں واقف جو اپنے
راستے سے
نہ سنگِ میل ہے رستے میں کوئی
نہ منزل کا ہی کچھ اپنی پتا ہے
مری اِن پتلیوں کو
کر دو ساکت
جو ہر لمحہ خوشی کی
منتظر ہیں
یہ میرے دل کی دھڑکن
بند کر دو

کہ اب تو درد حد سے
بڑھ گیا ہے
مرے ہونٹوں کو بھی
خاموش کر دو
نہ کچھ کہنے کو اب
باقی رہا ہے
مری سانسوں کو
تم گر روک لو تو
اذیت کے یہ لمحے
مختصر ہوں
مِرے چہرے پہ ڈالو
بے حسی کی ایک چادر
مجھے مٹی کے نیچے
دفن کر دو

تصور

میں صبح وشام بہت بےقرار ہوتی ہوں
تو ڈھونڈتی ہوں پناہ
اپنے گھر کے کونے میں
کبھی کھڑے
کبھی بیٹھے
پکارتی ہوں اسے
میں پوچھتی ہوں
کہ اے میرے خالق و مالک!
مِرے لئے تیری دنیا میں
اب بچا کیا ہے؟
تو بند آنکھوں میں
حسیں سا ایک تصور ابھرنے لگتا ہے
مرے خیالوں میں ہوتی ہے
نُور کی بارش
وہ ایک وقت بہاریں تھیں
ہم سفر میری

وہ ایک وقت
کہ دنیا پہنچ کے اندر تھی
وہ زندگی کے بہت مختصر سے
کچھ لمحے
مرے وجود کو تابندگی
بخشتے ہیں
یہ میرے پاؤں جو قائم نہیں
زمیں پہ اب
انہیں بھی تھام کے پائندگی
بخشتے ہیں

ترجیح

روزمرہ کے کاموں کی
ملنے والے لوگوں کی
اک فہرست بناتے ہیں
اُس میں سب سے آخر میں
اک کونے پر
وہ اک نام بھی لکھتے ہیں
جو سب سے اپنا ہوتا ہے
جس کی چاہت دنیا
کے ہر فرد کی چاہت
سے بڑھ کر ہے
سارے کام اگر ہو جاتے
سب لوگوں سے بھی مل جل کر
وقت اگر کچھ رہ جاتا تو اُس کی باری
بھی آ جاتی
لیکن ایسا کب ہوتا ہے؟

کام تمام نہیں ہو پاتے
کچھ ملنا بھی رہ جاتا ہے
کبھی اچانک کچھ مشکل بھی
آ پڑتی ہے
اور اُس آخری نام کی باری
مشکل ہی سے آتی ہے
اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے
جیسے ذرا ہوا چلے تو
کاغذ پر بکھرے کاموں میں
کاغذ پر لکھے ناموں میں
سب سے نیچے
کونے والا نام کھسک کر
نیچے ہی گر جاتا ہے
اور اوجھل ہو جاتا ہے
پہلے نظروں سے پھر دل سے

احتساب

ظلم کے مٹانے کو
امن رنگ پانے کو
عدل کی تمنا میں
آس کے جگانے کو
نفرتوں کی دیواریں
بیچ سے گرانے کو
دشمنوں کی چالوں سے
دیس کے بچانے کو
آج سب عیاں کر دیں
جھوٹ کے فسانے کو
ایک فیصلہ کر لیں
قرض یہ چکانے کو
احتساب ہو خود کا
راستہ بنانے کو

فلسفہ

اوٹ پٹانگ سی باتیں
اور بے ربط سے جملے
جو سمجھ میں نہ آئیں
فلسفہ کہلاتے ہیں
آڑی ترچھی سی لائنیں
جو کسی اناڑی نے
کینوس پہ کھینچی ہوں
بھیڑ چال میں ان کو
آرٹ بھی تو کہتے ہیں
آج کل ہے پیمانہ
ہر طرح کی خوبی کا
عہدہ، مرتبہ، شہرت
بات سننے سے پہلے
جملہ پڑھنے سے پہلے
دیکھتے ہیں بس یہ کہ
کون کہنے والا ہے

بات چاہے کیسی ہو
معتبر ہی لگتی ہے
کام چاہے کیسا ہو
فن کا پارہ لگتا ہے

اندھیرا

اندھیرا دور کرنے کی
کوئی صورت بھی تو ہوگی
دِلوں کے میل دھلنے کی
کوئی صورت بھی تو ہوگی

اندھیرا ہے علامت
موت کی، ظلمت کی، سختی کی

اندھیرا نام ہے
اُس دیو کا
جو روشنی کھائے

اندھیرا بھوک ہے
دکھ، درد ہے
آنسو ہے، اُلجھن ہے

اندھیرا رنگ سے
بے رنگ کر دیتا ہے
دنیا کو
اندھیرا چھین لیتا ہے

جہاں کی روشنی ساری
اندھیرا نُور سے بے نُور کر دیتا ہے
نظروں کو
اندھیرے کے مٹانے کو
دیا درکار ہوتا ہے
کسی کو
ہم میں سے
اب خود علامت
روشنی کی بن کے جینا ہے
ہمیں اپنے دلوں سے
دور کرنا ہے
اندھیرا نفرتوں کا
حسد اور بدگمانی کا
ہمیں اس گھور اندھیارے میں
اُن بیدار ہوتی خصلتوں کو بھی
بدلنا ہے
کہ جن کا ہر زمانے میں
اندھیرا ہی رہا مسکن

ہمیں خود غرضی، لالچ
اور تعصب
چھوڑ دینا ہے
ہمیں اب دوسروں کے
دل دکھانے کے
رویے ترک کرنے ہیں
یہی وہ روشنی ہے
عمل ہے
بیداریٔ دل کا
کہ جس سے چاروں جانب
پھیلتی ہیں نور کی کرنیں
اُجالا علم کا
امن و محبت اور اخوت کا
اُجالا عدل کا
انصاف کا
تسکین و راحت کا
ہمیں اِس روشنی کو، اِس اجالے کو پھیلانا ہے
اندھیرا ہر طرح کا گر زمانے سے مٹانا ہے

غفلتِ مجرمانہ

اپنے کل کو سنوارنے کے لئے
خود تجربات سے گذرتے ہیں
پچھلے لوگوں کے تجربوں سے کوئی
فائدہ ہم اٹھا نہیں پاتے
جبکہ صدیوں سے ہوتا آیا ہے
اپنے ماضی سے درس لے کر ہی
اپنے کل کو بچایا جاتا ہے
آج کے دور میں ترقی کے
ساری آسائشیں میسر ہیں
باوجود اس کے
غفلت و سستی
عیش کوشی و بے حسی
کے سبب
ان سے کچھ فائدہ نہیں ملتا

بات یہ کچھ دنوں کی ہے
اک عمارت کے
ایک کمرے میں
آگ دھوئیں اک گھرا انسان
دیکھ کر بے شمار لوگوں کو
ہاتھ ہلاتا ہے اور سمجھتا ہے
جب سبھی اس کو دیکھ پائے ہیں
کیسے اس کو نہیں بچائیں گے
اس کو امید بھی ،خوشی بھی ہے
ہم مگر منتظر کرشموں کے
معجزوں پر یقین رکھتے ہیں
اس کی تصویریں کھینچ لیں لیکن
آگ میں اس کو جلتا چھوڑ دیا
جتنے سامان تھے بچاؤ کے
اپنی غفلت اور کاہلی کے سبب
سارے بے کار کر کے رکھے تھے

تقاضا

کرکٹ کے تماشائی
بڑے جذبے سے
کھلاڑیوں کو حوصلہ دیتے ہیں
بلند و بانگ نعرے، ہاؤ وہو
چیخیں، سیٹیاں
جن سے سارا میدان
گونج اُٹھتا ہے
وطن کے سبز پرچم سے بنے
کپڑے پہنتے ہیں
کہیں پرچم دوپٹے ہیں
کہیں چہروں پہ ٹیٹو ہیں
کہیں پہ شرط لگتی ہے
کہیں پہ ہاتھ اُٹھتے ہیں
دعائیں بھی لبوں سے جاری ہیں
اور آنکھوں سے

آنسو بھی بہتے ہیں
اور پھر جیت کی خوشی میں
سجدے بھی ہیں
بھنگڑے ناچ
اور جانے کیا کیا
اور آخری میچ کی جیت کی خواہش
پھر وَہی نعرے، وہی چیخیں
وہی انداز، تماشائی، وہی بھنگڑے
وہی سجدے وہی آنسو
وہی اُٹھتے ہوئے ہاتھوں میں پھیلی
جیت کی خواہش
نظر ہے آسماں پہ
اور ہونٹوں پر دعائیں ہیں
مگر اُس آخری
کھیل میں
جب ہار ملتی ہے
تو اک مایوسی
ہر طرف پھیل جاتی ہے

گلے شکوے کہیں پر ہیں
کہیں الزام لگتے ہیں
اگر ہم سوچ لیں
تو یہ حقیقت جان جائیں گے
دعائیں مانگنے کے بھی
تو کچھ اپنے تقاضے ہیں
کہ جس کے سامنے سجدہ کریں
اور ہاتھ پھیلائیں
اسے اپنے عمل سے بھی تو
راضی کرنا ہوتا ہے

کیا جواب دو گے تم

جھوٹ اور ہٹ دھرمی
آج کی سیاست ہے
ظلم اور بے حسی
آج کی سیاست ہے
اور اس سیاست کا
نعرہ جمہوریت ہے
ووٹ دینے والے ہیں
بے بسی کی تصویریں
جن کے خوں سے لکھتے ہو
ظلم کی یہ تحریریں
رائے چند لوگوں کی
سینکڑوں پہ بھاری ہے
فائدے عزیزوں کے
قوم کا خسارہ ہیں
ان سے چھین لیتے ہو
زندہ رہنے کے موقعے

علم وصحت روزگار
کاروبار کے موقعے
بیسیوں گھروندوں کو
روندتے ہوئے اپنے
رنگ محل بناتے ہو
دے کے بھوک ننگ ان کو
اپنے گھر سجاتے ہو
اور یہ سمجھتے ہو
زندگی تمھاری ہے
اس پہ حق تمھارا ہے
جانتے نہیں ہو تم
سب حساب لکھا ہے
رائی رائی دانے کا
لذتوں کے متوالو!
کیا حساب دو گے تم ؟
کیا جواب دو گے تم ؟

کہیں پناہ نہ پاؤ گے

امن کے نمبر دارو آؤ
امن کے ٹھیکیدارو آؤ
دیکھو تم لوگوں نے کیسے
امن کو ہے تاراج کیا
بستی بستی خوں آلود ہے
نگر نگر برباد کیا
تم سے کوئی پوچھنے والا
حق باطل کو ڈھونڈنے والا
آئے گا تو دیکھو گے
اور چھپنے کو ڈھونڈو گے
مٹی کے ہر ذرے میں
ہر کونے ہر کھدرے میں
کوئی جگہ نہ مل پائے گی
کہیں پناہ نہ پاؤ گے

خواب

خواب اک دیکھا ہے میں نے
دلفریب و دلنشیں
امن کا رنگ اس زمیں پر
اس طرح جائے بکھر
اس کو جنت سے بھی بڑھ کر
کر دے پیارا اور حسیں
امن کیا ہے؟
یہ وہ پیغامِ محبت ہے
ازل سے جو ملا
اے زمیں کے باسیو!
تم ایک ہو
تم ایک ہو
زندگی کا حق پہچانو
یہاں مل کر رہو
زندگی کا یہ تقاضا

جس کو ہم نے بھول کر
اپنی اپنی ذات کو رکھ لیا
پیشِ نظر
کتنی دیواریں اٹھیں
انسان کی تفریق کو
کتنی ان دیکھی چٹانیں
راستوں میں آ گئیں
ہوس و خود غرضی کے باعث
انساں انساں بٹ گئے
نفرتوں کے عصبیتوں کے
اک وسیع انبار سے
راستے الفت ' محبت کے
سراسر پٹ گئے

اُمید سحر

ستارہ صبح کا لاتا ہے خبر
جب اک نئے دن کی
تو بھیگی رات کے پچھلے پہر میں
نُور کی کرنیں
اندھیرے سے نکلتی ہیں
تھرکتی، جھلملاتی آفتابی روشنی میں
یوں سماتی ہیں

طلوع ہوتی ہے اک روشن سحر
اور ایک اجلا دن
جو تاریکی کی گہری کوکھ سے پھوٹا
نگاہِ کور سے ٹوٹا
چمکتے گہر کی صورت

یہ منظر، دے رہا ہے اک
سحر آگیں، امید افزا
پیامِ زندگی
یہ کہ
ہمیشہ پھوٹتی ہے سحر
تاریکی کے روزن سے
گہر کی بازیابی ہے
کسی تاریک مدفن سے

یونہی دھرتی کی ظلمت میں
سحر کی منتظر آنکھیں
تمنائی ہیں اُس دن کی
کہ جب جبر و ستم کی آندھیاں
رستہ بدل ڈالیں
کہ جب تاریکیاں نفرت کدورت کی
سمٹ جائیں

اندھیرے بھوک اور افلاس کے
کچھ ایسے چھٹ جائیں
کہ سارے رنج وغم ، درد والم
دنیا سے مٹ جائیں
ہوس اور حرص کے مارے
یہ خوں آشام اَندھیارے
جہاں انصاف بکتا ہے
جہاں انساں سسکتا ہے
جہاں ہر سمت ظلم و بربریت
کا اندھیرا ہے

جہاں خوں رنگ نظارے
لہو میں تر بتر جن کھیتیوں کے
پھول ہیں سارے
جہاں بارود کی بُو ہے
جہاں پر آگ جلتی ہے
جہاں دھرتی بھی اپنے پیٹ سے

شعلے اگلتی ہے
جہاں بادل دھوئیں کے
آسماں کو ڈھانپ لیتے ہیں

جہاں بارش کے بدلے
خون کی رِم جھم برستی ہے
جہاں پر خون کے چھینٹے
سیہ دھبوں کی صورت میں
اندھیروں کو بڑھاتے ہیں
جہاں دہشت کے سائے میں
خوشی کے سارے منظر
ڈوب جاتے ہیں

جہاں انسانیت بھی
اپنا چہرہ ڈھانپ لیتی ہے
جہاں پہ آدمیت
شرم سے منہ کو چھپاتی ہے

جہاں روتے ہیں بھائی
مائیں بہنیں بین کرتی ہیں
جہاں پہ دلہنیں
بانہوں کے کنگن توڑ دیتی ہیں
وہیں اک آس ہے
امید ہے
روشن سحر کی جو
ضمیر آدمیت کو
پیامِ زندگی دے دے
بقا کی آرزو دے دے
شعورِ بندگی دے دے
یہی لمحے اذیت کے
حقیقت آشنا کردیں
یہی فکر ونظر کو
آگہی کے نُور سے بھر دیں

قلم

حرف قطرۂ گہر ہے
لفظ ہے موتی کی صورت
قلزم افکار میں
ناؤ کی مانند ہے قلم
یہ قلم ہے زندگی
اک آگہی
اک روشنی
یہ قلم امید ہے
اک آس ہے
اک سرخوشی
دسترس میں اس کی
آجاتے ہیں
سب کون ومکاں
عزت وحرمت کا
اک ایسا بہاؤ ہے قلم

علم کی پنہائیاں
فکر کی گہرائیاں
عقل کی دانش وری
سب کچھ قلم سے ہے عیاں
ذہن کے گوشوں میں
الجھی سوچ ہو

یا
دل کی بستی میں ابھرتی خواہشات
جذبہ واحساس کی کل کائنات
لفظ محتاجِ بیاں ہیں
کس طرح ہوں آشکار
خط ہو، نقطہ ہو کہیں
دائرہ یا قوس ہو
مد، زبر یا زیر یا تشدید ہو
آڑھی ترچھی ہوں لکیریں
خط نسخ ہو یا نستعلیق ہو
سب قلم کے منتظر

یہ سبھی اظہار کے، اقرار کے ہی
رنگ ہیں
یہ حقیقت سے شناسائی کے سارے
ڈھنگ ہیں
ہے قلم الفت
محبت
عشق کا بھی ترجماں
ہجر کی گھڑیوں کا نقشہ
وصل کی ہے داستاں
ہے قلم نوحہ
قلم آنسو
قلم سسکی
قلم آہ وفغاں
بے حسی ہو، بے رخی ہو
ظلم کی ہو داستاں
قطرۂ خوں میں ڈبو کر
جس کو کرتے ہیں بیاں

دردِدل ڈھل جاتا ہے جب
شاعری کے روپ میں
غم بیاں ہوتا ہے
تب اِک دلنشیں اسلوب میں
جب قلم بن جاتا ہے
اِک رازداں، اِک غمگسار
اِسطرح تخلیق پاتے ہیں
انوکھے شاہکار
یہ قلم بیداری ہے
اک جوش ہے، اک ولولہ
یہ قلم آزادی ہے
ہے اس سے قوموں کی بقا
یہ قلم تہذیب ہے
ترتیب ہے
قانون ہے
زندگی میں نوعِ انسانی کی
ہے اک معجزہ

کل کا قصہ بھی قلم ہے
آج کا احوال بھی
اور آنے والے کل کا خواب
کل سے آج اور آج سے
کل کا سفر
ارتقائے زندگی کو
اک لڑی میں
یوں پروتا ہے قلم
اس فنا انجام دنیا کو عطا کرتا ہے
اک دائم حیات
ہے قلم تاریخ بھی
تنقید بھی، تحسین بھی
ہے قلم ہی تجزیہ
ہے قلم انصاف بھی اور
ہے قلم ہی احتساب
عالمِ ہستی قلم سے ہی ہے
رو بہ انقلاب

حضرتِ انسان کو جب
علم سکھلایا گیا
علم کی طاقت قلم ہے
یہ بھی بتلایا گیا
دو جہاں کی وسعتیں
سمٹیں قلم کی نوک میں
اِس جہاں کا رنگ کیا ہوگا
وہاں کا حال کیا
کاتبِ تقدیر نے
پہلے قلم سے لکھ دیا

روشنی

یہ روشنی
جو چمن کے پھولوں کی تازگی ہے
یہ روشنی
جو سمندروں سے ابھر رہی ہے
یہ روشنی
جو اُفق کی سرخی میں جابسی ہے
یہ روشنی
جو دھنک کے رنگوں کی دلکشی ہے
یہ روشنی
جو ابھرتے سورج کی تابنا کی
شبِ سیہ میں
چھلکتی کرنوں کی ماہتابی
یہ روشنی
تو ہے وہ محبت
جو اپنے بندے سے
ہے خدا کو

یہی محبت ہے نور ریز داں
ازل سے خالق کے دل میں ہے جو
ہیں اِس محبت ہی کی بدولت
یہ سب زمیں آسمان روشن
یہ دل کشی کائنات کی ہے
اسی محبت کی روشنی سے

یہی محبت جو جلوہ بن کر
تھی طور کی گھاٹیوں سے پھوٹی
عرب کے صحرا کے ذرے ذرے میں
جس نے اک روشنی بھری تھی
وہ روشنی ہو رہی ہے مدھم
بصارتیں ہو رہی ہیں کم کم
دِلوں کے اندر بھی ہیں اندھیرے
دماغ تاریکیوں میں ہیں گم
یہ روشنی ڈھونڈنے کو نکلیں
کہیں تو اِس کا سراغ پائیں

ذرا سا اپنی نظر جھکا کے
غبارِ دِل کا ذرا ہٹا کے
وہ دِل کے اندر کی تہہ کے نیچے
وہ روشنی ہے
وہی محبت کی روشنی جو
تمام عالم کی دلکشی ہے
وہی محبت
ئہے جس کا وعدہ
صدا الست بربکم کی
وفا کے اقرار میں دلوں کی
بلیٰ بلیٰ متحد صدا تھی
وفا کا وعدہ بھلا کے ہم نے
کیا ہے اِس روشنی کو مدھم
ہوئے ہیں تاریک دل کے باعث
جہاں کے سارے نظام برہم
گر آج تجدید عہد کرلیں

دلوں کے اندر محبتوں کے
جو جلتے بجھتے دیے ہیں باقی
انہیں ملا دیں اس روشنی سے
جو آسماں سے لپک رہی ہے
تمام عالم میں نور بھر دیں
زمیں کو بھی آسمان کر دیں

ابرِ محبت

وادی وادی گلشن گلشن

دریاؤں کہساروں پر

صحراؤں کے تپتے ذروں

ننگی شاخوں، سوکھے پتوں

مٹی، پتھر، پھول اور کانٹوں پر جب برسا

ابرِ محبت

دھرتی بھی سیراب ہوئی ہے

اک دنیا آباد ہوئی ہے

دل کے اندر اور سینوں میں

آنکھوں میں اور پلکوں میں

ہونٹوں پر اور سانسوں میں

جیون کے اندھیاروں میں

جب جب برسا

ابرِ محبت

ہستی اپنی شاد ہوئی ہے
محفلِ دل آباد ہوئی ہے
دل ہے روشن آنکھیں ہیں تر
پلکوں پر اَن دیکھے سپنے
ہونٹوں پر نغمے چاہت کے
سانسوں میں ریشم سی سرسر
من کی فرحت، روح کی جنبش
تن کے اندر خوں کی گردش بن کے دوڑا

ابرِ محبت
سورج کی کرنوں میں چاہت
چاند کی ٹھنڈی لو میں محبت
بارش کی رِم جھِم میں الفت
بھیگے موسم دِل کی راحت
اِس الفت اور اِس چاہت کا
ایک ہے مرکز
دنیا کی ہر چاہ سے بڑھ کر
اس کی محبت سب سے برتر

اس کا گھر ہے دِل کے اندر
کاش عیاں ہو راز یہ سب پر
اس خالق نے اِس دھرتی پر
آدم کی آمد سے لے کر
اپنی محبت اپنی الفت، ہر انسان پہ
ہر ہر آن نچھاور کی ہے

انساں نے اپنے ہی ہاتھوں
اپنی جھوٹی انا کی خاطر
نفرت، خود غرضی، لالچ سے
اِس دنیا کو آگ کے ایسے
گہرے سمندر میں بدلا ہے
جس کے شعلوں کی لپٹوں میں
دنیا کے سب نازک جذبے
نوحہ کناں ہیں
جس کی تپش سے دھرتی ساری
سلگ رہی ہے

آگ بجھانے کو دھرتی کی
آج ضرورت ہے بارش کی
ابرِ محبت کی رِم جھم کی
اُس موسم کی
ایسی رت کی
جس میں لوگ اپنے کو بدلیں
لالچ اور خود غرضی چھوڑیں
اور محبت کے بدلے میں
اس کی محبت کا دم بھر لیں
اُس کی جانب سے جب
پھر سے ٹوٹ کے برسے
ابرِ محبت
دِل کی مٹی کو نم کر لیں
سارے جذبے
باہم کر لیں
دِل کے نرم جزیرے پر جب
اک کومل سی کونپل پھوٹے

جس کے نرم و نازک پتے
ایسے پھیلیں
غم کی دھوپ میں سایہ کر دیں
ایسے مہکیں
خوشبو بن کر
سارے عالم کو مہکا دیں
ان پتوں پر
موتی بن کر
شبنم کے قطرے یوں چمکیں
روشن کرنیں ہر سو پھیلیں
نور بنیں سب گھور اندھیرے
ہو جائیں سب دور اندھیرے